فہم قرآن میں عربی شاعری سے استشہاد کا تصور

پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمن / ڈاکٹر حافظ فدا حسین

Abstract

The Holy Quran which was revealed in Arabic Language, it's verses have been explained with help of Ahadith and Athar as well as Quran itself. The Holy Quran's basic understanding depends on comprehension of Arabic Language. The Arabic Poetry has a very important and extensive role in the language eloquence. The Holy Quran has used Arab's phraseologies in which it has challenged the Arab to bring a verse like it's a verse, if they believed the Holy Quran is composed by the Holy Prophet himself. However, the Holy Quran has denied being itself a poetry and also clarified that the Holy Prophet was not a poet. Therefore, a debate appeared around a role of Arabic poetry in Quranic verses explanation. Ibn Abbas, a renowned exponent companion has quoted some Arabic proses in Quranic verses explanation, as well as he guided toward Arabic poetry for finding the meaning of Quranic words. Hence many exponents of the Holy Quran quoted Arabic poetry in this regard. In this article the function of Arabic poetry in explanation of Quranic verses has explored and identified with relevant aspects.

زمانہ جاہلیت میں شعر گوئی اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ شعراء کا شمار قبیلہ کے معزز ترین لوگوں میں ہوتا تھا کیونکہ شاعر اپنے قبیلے کا محافظ، مورخ، زبان و بیان کے معرکوں میں ان کے دشمنوں کا جواب دینے والا اور اہل قبیلہ کی ذہنی وجذباتی رہنمائی کرنے والا ہوتا تھا۔

عرب جنہیں اپنی زبان آوری، فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان پر ناز تھا۔ قرآن مجید انہی کی زبان میں اترا اور انہی کے اسلوب اور طرز ادا کو اس نے اختیار کیا۔ اہل زبان میں سے جس نے قرآن کو سنا، وہ اسکی عظمت و برتری کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ قرآن حکیم کے اسلوب بیان، فصاحت و بلاغت، لفظوں کا رکھ رکھاؤ، خوبصورت جملوں اور مختصر الفاظ پر مشتمل آیات کی اثر انگیزی نے اہل عرب کو عاجز کر دیا۔ مشرکین کا اگرچہ تعصب کی بناء پر قرآن پر ایمان لانے سے گریز کرتے رہے لیکن انہیں قرآن کی معجز بیانی کے آگے گردنیں خم کرنا پڑیں۔ قرآن مجید میں اہل عرب کے تمام اسالیب پائے جاتے ہیں تاکہ اہل عرب یہ خیال نہ کریں کہ وہ اس کے فہم سے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے اس لئے عاجز ہیں کہ قرآن حکیم ان کی زبان اور اسالیب زبان میں نہیں ہے جنہیں وہ روزمرہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ان حروف و اسالیب میں اتارا جنہیں اہل عرب اپنے اشعار اور خطبات میں اختیار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو قرآن حکیم کے مثل کلام لانے کی بابت متعدد بار چیلنج کیا جس کا وہ جواب نہ دے سکے۔(۱)

فہم قرآن میں عربی زبان کی ضرورت واہمیت

قرآن کے صحیح فہم کیلئے ضروری ہے کہ نزول قرآن کے دور کی صحیح تصویر سامنے ہو۔ کلام عرب (عربی شاعری ونثر) اور اس کے اسلوب نگارش سے اچھی طرح واقفیت ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (یوسف، 2:12) اس قرآنی آیت میں تصریح ہے کہ یہ کتاب عربی زبان میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس کتاب کے فہم کیلئے علم اللسان یا علم لغت سے واقفیت تامہ ناگزیر ہے خاص طور پر وہ الفاظ قرآنیہ جو غرائب میں شمار کیے جاتے ہیں ان کی معرفت اشد ضروری ہے۔ چنانچہ مجاہد بن جبر (ابن عباس کے معتمد شاگرد) کہتے ہیں (۲) "لا يحل لأحد يؤمن بالله واليوم الآخر أن يتكلم في كتاب الله إذا لم يكن عالماً بلغات العرب"۔ کسی ایسے شخص کیلئے جو کہ خدا تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ بات روا نہیں کہ جب تک وہ لغات عرب کا عالم نہ ہو اس وقت تک کتاب اللہ کے بارے میں کچھ کلام کرے)۔

ابن جریر طبری نے قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کی چار نوعیتوں کی نشاندہی کی ہے۔ ایک تفسیر وہ ہے جس کو عرب اپنے کلام وزبان کے سبب جانتے ہیں۔ ایک وہ ہے جس کے نہ جاننے پر کسی کو معذور نہیں سمجھا جا سکتا، ایک وہ تفسیر ہے جس کو علماء جانتے ہیں اور ایک تفسیر ایسی ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔(۳)

ابو نصر فارابی (350ھ) کہتے ہیں: (۴)

> القرآن كلام الله وتنزيله فصل فيه مصالح العباد في معاشهم ومعادهم، مما يأتون ويذرون ولا سبيل إلى علمه وإدراك معانيه إلا بالتبحر في علم هذه اللغة.

ابو منصور ازہری (370ھ) کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے فہم میں عربی زبان سیکھنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۵)

> وأن على الخاصة التي تقوم بكفاية العامة فيما يحتاجون إليه لدينهم، الاجتهاد في تعلم لسان العرب ولغاتها التي بها تمام التوصل إلى معرفة ما في الكتاب و السنن و الآثار.

راغب اصفہانی فہم قرآن میں کلام عرب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۶)

> فالفاظ القرآن هي لُبّ كلام العرب وزبدته، وواسطته وكرائمه، وعليها اعتماد الفقهاء و الحكماء في احكامهم وحكمهم، و اليها مفزع حذّاق الشعراء و البلغاء في نظمهم ونثرهم. وما عداها وعدا الألفاظ المتفرّعات عنها و المشتقّات منها هو بالإضافة إليها كالقشور و النّوى بالإضافة إلى أطايب الثّمرة، و كالحثالة و التبن بالإضافة إلى لُبوب الحنطة.

لہذا مفسر کیلئے ضروری ہے کہ وہ لغت عرب پر عبور رکھتا ہو جس کا مستند ماخذ کلام عرب (عربی شاعری ونثر) ہے۔

قرآن حکیم کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ خالص عرب تھے جو عربی زبان کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔ (اللّٰهم فقهه في الدين وعلّمه التاويل) (۷) (اے اللہ تو ابن عباسؓ کو دین میں تفقہ اور (قرآن مجید کی آیات کا) صحیح مصداق (مفہوم ومراد) سکھا دے)۔ یہ دعا نبوی کی قبولیت تھی کہ ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا کہ وہ زمین اور آسمان کون سے ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا ہے ﴿أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا﴾ (الانبیاء، 30:21) (آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا)۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ابن عباس کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو حضرت ابن عباسؓ کے پاس وہ شخص آیا تو آپؓ نے جواب دیا کہ آسمانوں کا رتق (بندش) تو یہ ہے کہ ان سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمینوں کا رتق یہ تھا کہ ان میں روئیدگی نہیں پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فتق (کشادگی) کر دیا تو آسمانوں سے بارش ہونے لگی اور زمینوں میں نباتات پیدا ہونے لگے۔ (۸)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آیات قرآنی کے مفہوم کے تعین میں کلام عرب سے بھی استفادہ کیا چنانچہ ان سے روایت ہے کہ میرے علم میں قرآنی آیت ﴿فاطر السّموات و الارض﴾ (یوسف، 101:12) کا مفہوم نہیں تھا۔ ایک بار دو اعرابی ایک کنویں کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے تو ان میں سے ایک نے کہا "انا فطرتها" یعنی اس کی ابتداء میں نے کی تو مجھے آیت کا مفہوم سمجھ میں آ گیا۔ گویا فاطر السموات و الارض کا مفہوم آسمان وزمین کی ابتداء کرنے والا ہوا۔ اسی طرح ایک اور روایت قتادہ سے ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ قرآنی آیت ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ (الاعراف، 89:7) میں لفظ (افتح) کا کیا مطلب ہے؟ یہاں تک کہ میں نے بنت یزن کا یہ قول سنا کہ "تعال افاتحک" (۹) (یعنی کہا جاتا ہے کہ میں تم سے فیصلہ کرواؤں گی)۔ تو آیت کا مطلب ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے دعا کی

اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کردے۔

فہم قرآن میں استشہاد بالشعر کی نوعیت

کلام عرب سے استفادہ کے ضمن میں یہ سوال زیر بحث آیا ہے کہ کیا فہم قرآن میں عربی شعر سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے اور اگر شعر سے استشہاد درست ہے تو اس کا دائرہ کار کیا ہے۔

عبدالفتاح المصری عربی شاعری سے استشہاد کی بابت لکھتے ہیں:(۱۰)

> إذا تساءلوا أيجوز الاحتجاج على غريب القرآن ومشكله بالشعر أم لا؟ وقد أنكر هذا بعضهم، وأيده بعضهم الآخر، أما المنكرون فحجتهم أن الشعر مذموم في القرآن والحديث وإذا استشهدنا به جعلناه أصلاً للقرآن ولكن المؤيدين ردوا عليهم بأننا أردنا بهذا تبيين الحروف الغريب من القرآن بالشعر، لأن الله تعالى قال: ﴿إنّا جعلنٰه قرآنًا عربيًا﴾ (3:43) وقال: ﴿بلسانٍ عربيٍّ مُبينٍ﴾ (195:26)
>
> یعنی عربی شاعری سے استشہاد کے بارے میں بعض لوگ انکار کرتے ہیں اور بعض استشہاد کے حامی ہیں۔ مخالفین کا موقف یہ ہے کہ چونکہ قرآن وحدیث میں شاعری کو مذموم قرار دیا گیا ہے اس لیے استشہاد درست نہیں جبکہ مؤیدین کے مطابق قرآن کا نزول عربی زبان میں ہوا اور شعر سے قرآن کے غریب کلمات کی توضیح ہوتی ہے اس لیے عربی شاعری سے استشہاد درست ہے۔

آئمہ لغت نے شاعری کو مختلف ادوار اور شعراء کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ شعراء کے درج ذیل چار طبقات ہیں۔
1۔ جاہلی شعراء: اس سے مراد اسلام سے قبل کے شعراء ہیں۔ جیسے امرؤ القیس، اعشیٰ، نابغہ ذبیانی، زہیر بن أبی سلمی اور طرفہ بن العبد وغیرہ۔ **2۔ مخضرم شعراء:** ایسے شعراء جنہوں نے جاہلی اور اسلامی دور پایا جیسے لبید بن ربیعہ، حسانؓ بن ثابت، خنساء بنت تماضر اور کعب بن زہیرؓ وغیرہ۔ **3۔ متقدمین شعراء:** انہیں اسلامی شعراء کہا جاتا ہے جیسے جریر، فرزدق، قطامی، ذی الرمۃ، عجاج وغیرہ۔ **4۔ مولدون شعراء:** یہ وہ شعراء ہیں جو تیسرے طبقہ کے بعد سے آج کے دور تک ہیں جیسے بشار بن برد، أبی العتاہیۃ، أبی نواس، ابی تمام، بحتری اور ابن الرومی وغیرہ۔(۱۱)

جاہلی اور مخضرم طبقہ کے شعراء کے کلام سے استشہاد بالاتفاق درست اور جائز ہے جمہور علماء کے نزدیک قدیم یعنی اسلامی شعراء کے کلام سے بھی استشہاد صحیح ہے جبکہ چوتھے طبقے یعنی مولدین کے کلام سے جمہور کی رائے کے مطابق استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ علوم لغویہ، بلاغہ معانی، بیان اور بدیع میں مولدین کے اشعار سے استشہاد جائز و درست ہے۔(۱۲) بہر حال استشہاد کے ضمن میں جو حیثیت دور جاہلیت اور صدر الاسلام کی ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں کیونکہ علماء نے دور جاہلیت اور صدر الاسلام کی شاعری کو خصوصی طور پر جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

گو ان شعراء میں سے کوئی بھی شعری غلطی سے محفوظ نہیں ہے۔ ان اغلاط کی ناقدین نے نشاندہی کی اور شعری ضرورت

کے پیش نظر اسے شعری غلطی کا نام دے کر اس کا جواز فراہم کرنے کی کوشش کی چنانچہ ایک شاعر کیلئے اُسے بغیر ہچکچاہٹ استعمال کرنا جائز ہو گیا۔ سیبویہ کہتے ہیں (۱۳): "انه یجوز فی الشعر ما لایجوز فی الکلام، من صرف لاینصرف، یشبهونه بما ینصرف من الأسماء وحذف مالایحذف یشبهونه بما قد حذف، و استعمل محذوفاً" (شاعری میں وہ جائز ہے جو کلام (نثر) میں ناجائز ہے۔ منصرف و غیر منصرف اسے اسماء میں سے جو حذف نہیں ہوتا اسے حذف کر کے منصرف کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جو محذوف ہو چکا ہے اور جو محذوف استعمال کیا گیا ہو اس کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔)

تاہم جب کتاب اللہ اور احادیث و آثار کی روشنی میں مفہوم قرآنی کی تعیین نہ ہو رہی ہو تو پھر قرآنی آیات کی تفسیر و توضیح کے لیے عربی شاعری کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب قرآنی آیات کی تفسیر مذکورہ مصادر شرعیہ سے ہو رہی ہو تو پھر کلام عرب سے دلیل لانا درست نہیں بلکہ ان تفاسیر کی جانب رجوع کرنا واجب ہوگا جو کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ اور آثار صحابہ میں وارد ہوئی ہوں۔ (۱۴) زرکشی اسی حوالے سے لکھتے ہیں (۱۵): "مالم یرد فیه نقل عن المفسرین وهو قلیل وطریق التوصل الی فهمه النظرُ إلى مفردات الألفاظ من لغة العرب ومدلولاتها و استعمالها بحسب السّیاق" (جن امور میں مفسرین سے کوئی بات منقول نہیں اور ایسے امور کم ہیں پھر اسکے فہم تک پہنچنے کا طریقہ یہ ہے کہ لغتِ عرب کے مفرد الفاظ، ان کے مدلولات اور سیاق و سباق کے اعتبار سے غور و خوض کیا جائے)

یعنی عربی شاعری کے ذریعے متعین ہونے والے قرآنی مفاہیم اسلاف صحابہؓ، تابعین اور آئمہ مجتہدین کے مفاہیم سے مطابقت رکھتے ہوں ان میں تضاد نہ ہو۔ ابن جریر طبری کہتے ہیں (۱۶): "و اصحهم برهاناً فیما ترجم وبیّن من ذلک مما کان مدرکاً علمه من جهة اللسان إمّا بالشواهد من اشعارهم السائرة وإمّا من منطقهم لغاتهم المستفیضة المعروفة، کائناً من کان ذلک المتأوّل و المفسّر، بعد أن لایکون خارجاً تاویله وتفسیره عن اقوال السلف من الصحابة و الائمة و الخلف من التابعین وعلماء الأمة" (یعنی مفسرین میں سب سے زیادہ دلیل کے اعتبار سے صحیح تفسیر ان چیزوں سے ہے جن کا علم زبان سے حاصل ہوتا ہے یا تو اشعار عرب سے استشہاد کر کے یا ان کی مشہور و معروف لغات سے استدلال کر کے بشرطیکہ اسکی تفسیر و تاویل لغت کی جانب نسبت کرنے سے اقوال صحابہؓ، آئمہ سلف، علماء و تابعین کے اقوال سے ہٹ کر نہ ہو)۔ ابن تیمیہ (728ھ) کہتے ہیں (۱۷): "مَنْ عدلَ عن مذاهب الصحابة و التابعین وتفسیرهم إلى مایخالف ذلک کان مخطئاً فی ذلک بل مبتدعاً وإن کان مجتهداً مغفوراً له خطاه" یعنی جس نے صحابہؓ، تابعینؒ کے اقوال اور ان کی تفاسیر سے اعراض کیا ان باتوں کی طرف جو ان کے خلاف ہیں تو خطا کار ہوگا بلکہ بدعتی ہوگا اگرچہ وہ مجتہد مطلق ہی کیوں نہ ہو جس کی خطا پر بھی مغفرت ہے۔ عربی شاعری سے استشہاد کی نوعیت واضح ہونے کے بعد اس کی اہمیت کا تذکرہ مناسب ہوگا۔

استشہاد بالشعر کی اہمیت

جاہلی عربی شاعری میں انوکھی حکمتیں، مزید ضرب الامثال تفسیر کے شواہد اور تاویل کے دلائل پائے جاتے ہیں۔ ابن

عباسؓ فرماتے ہیں (۱۸): "إذا خفي عليكم شيء من القرآن فابتغوه في الشعر، فإنه ديوان العرب"۔ (جب تم پر قرآن کا کوئی لفظ مخفی ہو تو اس کے معنی کو اشعار میں تلاش کرو کیونکہ اشعار عرب کا دیوان ہیں)۔ ابو ہلال عسکری (395ھ) کہتے ہیں (۱۹): ان الشواهد تنتزع من الشعر ولولاه لم يكن على مايلتبس من الفاظ القرآن واخبار الرسول ﷺ شاهد"۔ اگر یہ اشعار نہ ہوتے تو قرآن کے الفاظ اور رسول ﷺ کی اخبار کی توضیح میں کوئی شاہد نہ ہوتا۔ ابن فارس کہتے ہیں (۲۰): "وهو حجة فيما اشكل من غريب كتاب الله وغريب حديث رسول الله ﷺ" (کہ یہ اشعار کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ کے غیر مانوس الفاظ میں دلیل ہیں)۔ رافعی تفسیر قرآن میں عربی شاعری سے استشہاد کے حوالہ سے صحابہ کرامؓ کی بابت لکھتے ہیں (۲۱): "فلما تكلموا في تفسير القرآن وغريب الحديث، وكانوا يلتمسون لذلك مصادقه من أشعار العرب، وضح هذا المعنى اللغوي"

امام سیوطی لکھتے ہیں (۲۲): "وليعتن بحفظ أشعار العرب فإن فيه حكما ومواعظ وآدابا، وبه يستعان على تفسير القرآن والحديث" (اشعار عرب کے حفظ کا اہتمام کیا جانا چاہیے کیونکہ اس میں بڑی حکمتیں اور پر تاثیر نصیحتیں ہیں بڑے زریں اخلاق و آداب ہیں اور اشعار سے قرآن و حدیث کی تفسیر میں مدد لی جاتی ہے)۔ صدیق حسن خان قنوجی (1308ھ) (۲۳) کہتے ہیں، "ومعرفة شعرهم رواية ودراية عند فقهاء الاسلام فرض كفاية لأنه به تثبت قواعد العربية التي بها يعلم الكتاب والسنة المتوقف على معرفتهما الأحكام التي تميز بها الحلال والحرام"۔ شعراء کے اشعار کی معرفت روایتاً اور درایتاً (عقلاً و نقلاً) فقہائے اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے اس لیے کہ اس سے عربی لغت کے قواعد ثابت ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے اس کتاب و سنت کو جانا جاتا ہے جن کی معرفت پر وہ احکام موقوف ہیں جن سے حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے معانی کی تعیین اور کلمات غریبہ کی تفسیر و تشریح اور لغوی استدلال کے لیے عربی شاعری کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے جیسا کہ ان کا فرمان ہے (۲۴): إذا تعاجم شيء من القرآن فانظروا في الشعر العربي (جب قرآن مجید میں تمہیں لغوی دشواری محسوس ہو تو شعر عرب میں اسے تلاش کرو)۔ اسی طرح حضرت ابن عباس ارشاد نبوی روایت کرتے ہیں (۲۵): إن من الشعر حكمة وإذا التبس عليكم شيء من القرآن فالتمسوه من الشعر فإنه عربي)۔ ڈاکٹر عبدالعال سالم مکرم، ابن عباس کی بابت لکھتے ہیں (۲۶): "ولاننسى أن ابن عباس كان فارس الحلبة في الاستشهاد بالشعر لبيان الكلمات الغريبة في القرآن الكريم، ذلك لأن ابن عباسؓ كان يعلم أن الشعر ديوان العرب، وأنه من أهم المصادر في تفسير هذا الغريب"

ذیل میں نافع بن ازرق کے ابن عباسؓ سے سوالات کی نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں تاکہ فہم قرآن میں عربی شاعری سے استشہاد کی اہمیت واضح ہو سکے۔

1۔ نافع بن ازرق نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ﴾ (الانشقاق

14:84) میں یحور کا کیا مطلب ہے، ابن عباس نے فرمایا یحور کا معنی ہے لوٹنا "إنه ظن أن لن يرجع" (اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (خدا کی طرف) لوٹنا نہیں ہے) پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا اہل عرب بھی اس معنی سے واقف ہیں؟ ابن عباسؓ نے اثبات میں جواب دیا اور تائید میں لبید بن ربیعہ کا شعر پیش کیا۔

وَمَا الْمَرءُ إِلَّا كَالشِّهَابِ وَضَوْئِهِ يَحُوْرُ رَمَاداً بَعْدَ إِذْ هُوَ سَاطِعٌ.(۲۷)

انسان کی مثال ایسی ہے جیسے ٹوٹنے والے تارے اور اسکی چمک کہ وہ ناگہاں چمک دکھا کر پھر خاک ہو جاتا واپس لوٹ جاتا ہے۔

اس شعر میں "یحور" کا لفظ لوٹنے اور واپس آنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

2۔ نافع بن ازرق نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيْتًا﴾ (النساء،85:4) میں لفظ مُقِيْتًا کے کیا معنی ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے "قادراً مقتدراً" صاحب قدرت، قدرت رکھنے والا تو آیت کا مفہوم ہوا "اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"۔ پھر آپ نے کلام عرب سے استشہاد کرتے ہوئے نابغہ ذبیانی کا درج ذیل شعر پڑھا۔

وَذِيْ ضِغْنٍ كَفَفْتُ النَّفْسَ عَنْهُ وَكُنْتُ عَلٰى مَسَاءَتِهِ مُقِيْتاً.(۲۸)

میں نے کینہ پرور دشمن کی طرف سے اپنی طبیعت روک لی۔ حالانکہ میں اس سے بدسلوکی کرنے پر قدرت رکھتا تھا۔

اس شعر میں لفظ "مقیت" قدرت رکھنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

لہذا ابن عباسؓ نے غریب القرآن کو اپنا موضوع بنایا اور ان کی تفسیر وتشریح جاہلی اشعار کی روشنی میں کرتے تھے۔ ذیل میں ان چند پہلوؤں کی نشاندہی کی جارہی ہے جن میں عربی شعر سے فہم قرآن میں استشہاد کیا گیا ہے۔

1۔ عربی شاعری کے ذریعے شرح الغریب کی توضیح

جاہلی عربی شاعری سے قرآن حکیم کے نادر، غریب اور مشکل الفاظ کی تحقیق میں مدد ملتی ہے۔ کیونکہ کسی جگہ لفظ کا حقیقی معنی مراد ہوتا ہے کسی جگہ مجازی کہیں اس کا لغوی مفہوم مراد لیا جاتا ہے اور کہیں اصطلاحی۔ نزول قرآن کے وقت متعدد الفاظ ایسے بھی تھے جن کے معانی تبدیل ہو چکے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بعض الفاظ کے معانی عام تھے جبکہ اسلام کی آمد کے بعد وہ الفاظ کسی ایک مفہوم کیلئے خاص ہو گئے مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، بیع اور حرام وغیرہ۔ قرآن مجید میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں مستعمل نہیں تھے اور عرب بھی ان سے آشنا نہیں تھے مثلاً منافق اور فاسق وغیرہ۔

عربی لغت میں غریب کلام کا اطلاق اس لفظ یا ترکیب پر کیا جاتا ہے جس میں نہایت درجے کی پیچیدگی پائی جاتی ہو اور اس کے فہم کے حوالے سے اس میں بُعد پایا جاتا ہو(۲۹) لہٰذا غریب کلام سے یا تو ایسا کلام مراد ہے جس کا مفہوم سمجھ اور فہم سے دور ہو اور اس کا سمجھنا سوچ و بچار اور غور و فکر کے بعد ہی ممکن ہو یا پھر وہ کلام مراد ہے جو تہذیب و ثقافت کے مراکز سے دور رہنے والے اپنی گفتگو

میں استعمال کرتے ہوں یعنی دور دراز کے قبائلی لوگوں کی لغت اور الفاظ جنہیں سن کر ہمیں اجنبیت محسوس ہو اور وہ الفاظ ہمیں نامانوس لگیں۔

لفظ "غریب" کی اس لغوی تعریف پر جب غور کیا جائے تو ظاہر بات ہے کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے کلام پر منطبق نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس طرح کے عیوب سے کلی طور پر پاک ہے اور وہ کلمات متنافرۃ(۳۰)، وحشیہ(۳۱)، شاذۃ(۳۲)، متروکہ(۳۳) اور غیر مانوس الفاظ و تراکیب سے بالکل خالی ہے۔ لہٰذا غریب القرآن سے مراد وہ کلام حسن ہے جس میں واضح فصاحت پائی جاتی ہو اگرچہ اپنی تاویل کے حوالے سے اس میں کچھ خفا اور اس کے معانی میں کچھ ابہام ہو کہ اس کی معرفت حاصل کرنے میں اہل تفسیر اور دوسرے لوگوں کے مابین کچھ نہ کچھ تفاوت پایا جاتا ہو۔ ابوحیان اندلسی غریب القرآن کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں(۳۴): کہ غریب القرآن وہ فصیح وبلیغ قرآنی الفاظ ہیں جن کے معانی کے فہم میں عام قاری یا مفسر کیلئے پوشیدگی پائی جاتی ہو یا ان کے معانی کے جاننے میں وہ التباس کا شکار ہوں۔ الغرض غریب القرآن کے علم سے مراد وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآنیہ میں سے نامعلوم الفاظ کی وضاحت بیان کی گئی ہو اور قرآن کریم کے مبہم الفاظ کی وہ تفسیر بیان کی گئی ہو جو اقوال ماثورہ اور لغات عرب میں پائی جاتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی (1176ھ) کہتے ہیں(۳۵): غیر مانوس الفاظ کی شرح میں احسن و افضل طریقہ وہ ہے جو ترجمان القرآن ابن عباس سے بصحت ثابت ہے پھر امام بخاری نے غریب الفاظ کی شرح میں ائمہ تفسیر سے جو نقل کیا ہے پھر غریب الفاظ کی شرح کیلئے باقی مفسرین نے صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین سے جو نقل کیا اور یہ بھی فرمایا کہ قرآن کی لغت کو استعمالات عرب کے طریقوں سے سمجھنا اور آثار صحابہؓ اور تابعین پر مکمل اعتماد کرنا لازمی امر ہے۔

امام نووی(676ھ) کہتے ہیں(۳۶): "وتفسير الألفاظ اللغوية فلايجوز الكلام فيه إلا بنقل صحيح من جهة المعتمدين من أهله" (لغوی الفاظ کی تفسیر میں کوئی کلام بھی جائز نہیں ہوتا مگر اہل علم اور معتمد علیہ باصلاحیت حضرات سے صحیح منقول کلام)

قرآن کے غریب الفاظ اور کلمات کی معرفت ان بنیادی چیزوں میں سے ہے جو قرآن کی تفسیر اور کلام الٰہی کے فہم میں انتہائی معاون ومددگار ہے۔ قرآنی کلمات کے مطالب کے ادراک، اس کے احکام کے استنباط، قرآنی آیات میں تدبر اور قرآنی قصص میں پائی جانے والی حکمت ومصلحت کی معرفت کیلئے غریب القرآن کی معرفت ناگزیر ہے گویا کہ غریب القرآن کی معرفت کلام الٰہی کو جاننے کے حوالے سے کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿مالک یوم الدین﴾ (الفاتحہ، 3:1) (جو مالک ہیں یوم جزا کے)

الدین:- ابوعبیدۃ اس کا معنی لکھتے ہیں "الحساب والجزاء" یعنی جزا اور بدلہ۔ مزید توضیح کیلئے وہ ایک ضرب المثل لاتے ہیں یعنی کما تدین تدان یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یوم الحساب کو بھی الدین کہتے ہیں۔ ابوعبیدۃ "الدین" کی وضاحت کیلئے ابن نفیل (جاہلی شاعر) کے شعر سے استدلال کرتے ہیں۔

وَاعْلَمْ وَأَيْقِنْ أَنَّ مُلْكَكَ زَائِلٌ   وَاعْلَمْ بِأَنْ كَمَا تَدِينُ تُدَانُ(۳۷)

یعنی جان لو اور یقین رکھو کہ تمہارا ملک ختم ہو جائے گا اور جان لو کہ تم جیسا کرتے ہو ویسا ہی تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔

امام ابن جریر طبری نے "الـديـن" کی توضیح کیلئے دو اشعار سے استدلال کیا ہے ایک شعر تو وہ ہے جس سے ابو عبیدہ نے استشہاد کیا ہے جبکہ دوسرا شعر درج ذیل ہے۔ یہ شعر کعب بن جعیل (اسلامی شاعر) کا ہے

إذا ما رَمَوْنا رَمَيْناهُمْ　　　　وَدِنَّاهُمْ مِثْلَ ما يُقْرِضُونا (۳۸)

2۔ عربی شاعری کے ذریعے صرفی ونحوی مشکلات کا ازالہ

جہاں قرآن مجید کے غریب الفاظ کی تحقیق میں عربی شاعری سے استفادہ ناگزیر ہے وہاں صرفی ونحوی مسائل کی شرح کے لیے بھی عربی شاعری سے مدد لی جا سکتی ہے۔ فہم قرآن میں عربی زبان اور اس کے علوم کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ "معرفة الألفاظ المفردة بحسب دلالتها علی ما وضعت له بحسب جوهرها وهو علم اللغة" (۳۹) یعنی اسی کے ذریعے مفرد الفاظ اور ان کے مدلولات بناوٹ کے لحاظ سے پہچانے جاتے ہیں اور فہم قرآن اس کے معانی کے فہم پر منحصر ہے۔ اسی طرح مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے علوم کی بھی معرفت رکھتا ہو جیسا کہ نحو اور اعراب کا علم جس کے ذریعے معانی ممیز کیے جاتے ہیں اور متکلمین کی اغراض سے واقفیت ہوتی ہے۔ سیوطی لکھتے ہیں (۴۰): "فأما الأعراب فبه تميز المعاني، ويوقف على أغراض المتكلمين" جیسا کہ علم صرف جس کے ذریعے کلمات کی بناوٹ اور صیغوں کو پہچانا جاتا ہے کیونکہ کلمات کی بناوٹ اور مصادر کی پہچان کلام اللہ کے معانی سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ عربی زبان کے علم کے بغیر کلام اللہ کی مراد تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ علم صرف سے الفاظ، اوزان اور صیغوں کا پتہ چلتا ہے جب تک اس بات کا علم نہ ہو کہ یہ صیغہ کونسا ہے اور اس کی تصریف وتعلیل کیا ہے تو کلام کی مراد ومعنی کو سمجھنا محال ہوگا۔ اسی طرح قرآن فہمی کے لیے علم نحو کی معرفت بھی ناگزیر ہے کیونکہ اعراب کے ادنیٰ تغیر وتبدل سے معانی میں نہ صرف زمین وآسمان کا فرق پڑ جاتا ہے بلکہ انسان کفر کی حدوں کو چھونے لگتا ہے۔ عربی زبان کے قواعد واصول کا ماخذ جاہلی عربی شاعری ہے۔ کلام عرب سے صرف ونحو کے قواعد اور لغت کی کتابیں مرتب ہوئیں قرآن مجید میں جن مقامات پر صرفی ونحوی مشکلات فہم مطالب میں مانع ہوں ان کی تفہیم کے لیے قواعد واسالیب زبان اور ان کے نظائر جو کلام عرب میں ہیں سے رہنمائی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ متقدمین مفسرین کی کثیر تعداد لغت کے قواعد وعلوم سے آشنا تھی اس لیے انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی مکمل توجہ صرفی ونحوی مسائل کی شرح پر مرکوز کی اور تفسیر قرآن میں عربی زبان کی اہمیت کے پیش نظر فصیح عربی اشعار سے مدد حاصل کی تاکہ کلام اللہ کا مقصد واضح ہو جائے۔

ذیل میں عربی شاعری کے ذریعے صرفی ونحوی مشکلات کے ازالہ کے حوالہ سے مثال پیش کی جا رہی ہے۔

﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ (البقرہ، 2:2) (یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔)

ذٰلِكَ الْكِتَابُ: ابو عبیدہ لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے "هـذا القرآن" وقد تخاطب العرب الشاهد فتظهر له مخاطبة الغائب" یعنی اس کا معنی ہے یہ قرآن۔ عرب کا یہ معمول تھا کہ وہ حاضر کو جب مخاطب کرتے تھے تو ظاہر ہوتا تھا کہ غائب

کو مخاطب کر رہے ہیں۔

مثلاً ابوخراش خفاف بن ندبہ سلمی (مخضرم شاعر) کے ذیل کے اشعار سے ابوعبیدہ طبری اور ثعلبی استشہاد کرتے ہیں۔

فإن تک خیلی قد أصیب صمیمها　　　فعمداً علی عینٍ تیممتُ مالکا

أقول لہ و الرمح یاطر متنہ　　　تأمل خفافاً إنني أنا ذلکا

اس شعر میں "ذالکا" سے مراد أنا هذا ہے(۴۱)

3۔ عربی شاعری کے ذریعے اسالیب قرآنی کی تفہیم

عربی شاعری صرفی ونحوی مشکلات کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اسالیب قرآنی کی تفہیم کا بھی اہم ذریعہ ہے۔ قرآن حکیم ان حروف اور کلمات میں نازل ہوا جنہیں اہل عرب اپنی گفتگو اور محاورات میں استعمال کرتے تھے یعنی یہ اہل عرب کے انہی محاورات میں نازل ہوا ہے جو وہ اپنے منثور و منظوم کلام میں اختیار کیا کرتے تھے تاکہ بیان کے خلاف دلیل معجزہ اور چیلنج بن جائے کہ یہ قرآن حکیم اہل عرب کے حروف اور کلمات کی جنس سے مرکب ہے اس لیے قرآن کی عظمت کا عرفان اُسی کو ہو سکتا ہے جو اہل عرب کے مختلف اسالیب بیان سے واقفیت رکھتا ہو۔

امام سیوطی لکھتے ہیں:(۴۲)وقد جاء القرآن بجمیع هذه السنن ، لتکون حجة الله علیهم آکد، ولئلا یقول: إنما عجزنا عن الإتیان بمثله لأنه بغیر لغتنا، وبغیر سنن التی نستحفا فانزل جلّ ثناء ه بالحروف التی یعرفونها ، وبالسنن التی یسلکونها فی أشعارهم ومخاطباتهم ، لیکون عجزهم عن الإتیان بمثله أظهر وأشعر۔

علم تفسیر قرآن، اس کے معانی اور اس کے علوم کے ماہر اہل علم نے ان اسالیب اور طریقوں کو واضح کر دیا ہے جنہیں قرآن نے اپنی تعبیرات میں اختیار کیا ہے۔ انہوں نے خالص عربوں اور فصیح لغت والوں کے اشعار سے اس بات پر استشہاد لیا ہے کہ قرآن کریم اسی انداز میں نازل ہوا جس کے اہل عرب وہ اپنے کلام اور محاورات میں عادی تھے۔

عبدالفتاح المصری لکھتے ہیں(۴۳)ولم یکتف القدماء بالاستشهاد بالمعلقات لمعانی ألفاظ القرآن الکریم، بل کانوا یستشهدون بها لبعض أسالیبه أیضاً، من ذلک مثلاً أسلوب الالتفات یعنی قدما قرآن حکیم کے الفاظ کے معانی کی تفہیم کے ساتھ ساتھ قرآنی اسالیب کی تفہیم کے لیے بھی معلقات سے استشہاد کرتے تھے۔ مثلاً اسلوب لالتفات وغیرہ۔ اس لیے قرآن حکیم کے ادبی محاسن، معجزانہ خصوصیات اور اس کے مختلف اسالیب کے فہم کیلئے بالخصوص جاہلی عربی شاعری سے واقفیت ناگزیر ہے۔ جاہلی عربی شاعری میں فصاحت و بلاغت اور حسن و خوبی کے جو اسالیب اپنائے جاتے تھے وہ تمام اسالیب بدرجہ اتم قرآن مجید میں موجود ہیں اور قرآن حکیم کا اسلوب نہایت دلکش اور دلنشین ہے۔

ا۔ اسلوب ایجاز

عربی زبان کے اسالیب میں سے ایک اسلوب حذف و اختصار کا ہے، چنانچہ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ مضاف کو حذف

کر کے ایجاز و اختصار کی غرض سے مضاف الیہ کو اسکی جگہ پر رکھ دیا جائے۔ابو منصور عبد الملک الثعالبی (429ھ) اس اسلوب کی بابت لکھتے ہیں(۴۴): "فی ذکر المکان و المراد به من فیه العرب تفعل ذلک" چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا﴾ (یوسف،82:12) یعنی بستی والوں سے پوچھ (اور اسی بستی (یعنی مصر) والوں سے پوچھ لیجیے جہاں ہم (اُس وقت) موجود تھے۔)

باقلانی لکھتے ہیں(۴۵) کہ اس ایجاز میں نہایت درجہ کی بلاغت پائی جاتی ہے۔دوسرے مقام پر ارشاد ہے:﴿وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ (البقرہ،93:2) (اور (وجہ اس کی یہ تھی کہ) ان کے قلوب میں گوسالہ پیوست ہوگیا تھا۔) ای حُبّہ یعنی بچھڑے کی محبت۔مضاف کے حذف سے متعلق اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔مراد "اهـل القرية" اور "حب العجل" ہے۔مضاف کے حذف اور اسکی جگہ مضاف الیہ کو رکھنے کی مثالیں عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہیں۔مذکورہ آیات کی تفسیر میں فراء لکھتے ہیں(۴۶) "فإنه أراد: حُبّ العجل ،ومثل هذا فما تحذفه العرب كثير" اور ایسے مواقع میں مضاف کلمے کو عرب اکثر حذف کر دیتے ہیں۔اسی طرح پہلی آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔اصل معنی ہے "والمعنى سل أهل القرية وأهل العير"۔یعنی دونوں آیات میں "حُبّ" اور "اهل" کے الفاظ محذوف ہیں اس طرح کے محذوفات کی مثالیں عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہیں۔

ابن قتیبہ ہذلی کے شعر سے استشہاد کرتے ہیں۔

يَمْشِي بَيْنَنَا حانُوتُ خَمْرٍ　　　　مِن الْخُرْسِ الصَّراصِرَةِ الْقِطاطِ(۴۷)

کہ یہاں حانوت سے مراد صاحب حانوت ہے۔

مذکورہ قرآنی آیات میں لفظ اور اس کے معنی کی صحت "من حيث الاسناد" موقوف ہے کیونکہ وسْئَلِ القريه میں "اهل" محذوف ہے اس لیے "الْقَرْيَةَ" کی طرف سوال کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہاں پر سوال کی نسبت محذوف "اهل" کی طرف ہے۔

4۔عربی شاعری کے ذریعے علم قراءت کے فہم میں استفادہ

جس طرح عربی شاعری کے ذریعے اسالیب قرآنی کی تفہیم ہوتی ہے اسی طرح عربی شاعری کے ذریعے علم قرأت کے فہم میں بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے ذیل میں علم قراءت کے مختصر تعارف کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ عربی شاعری کے ذریعے علم قراءت کے فہم میں کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے۔علم قراءت ایسا علم ہے جس سے کتاب اللہ کو نقل کرنے والوں کا لغت، اعراب، حذف، اثبات تحریک، اسکان، فصل اور اتصال وغیرہ میں بولنے کی ہیئت اور سننے کے حوالے سے ابدال کا علم ہو سکے۔اس کے ذریعے اہل عرب کی لغت، اعراب حذف، اثبات، فصل و وصل میں نقل کے حوالے سے اختلاف و اتفاق علوم کیا جاسکتا ہے(۴۸)۔یعنی یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے قرآنی کلمات کو بولنے کا انداز اور ان کے نقل کرنے والے کیلئے ان کے ادا کرنے کا طریقہ پر مختلف اور مختلف فیہ انداز میں سب کا علم ہوتا ہے۔قراءات کی دو اقسام ہیں۔1۔صحیح متواتر 2۔شاذ

تواتر سے مراد وہ قراءت ہے جسے ایک پوری جماعت نے ایک پوری جماعت سے آخری دور تک اس طرح روایت کیا ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ناممکن ہو۔ مثلاً ایک قرآنی قراءت عربی لغت کے قواعد کے مطابق صحیح سند کے ساتھ روایت کی گئی ہو لیکن مصاحف عثمانیہ رسم الخط کے برخلاف ہو تو اسے شاذ کا نام دیا جائے گا کیونکہ یہ قراءۃ مصحف کے خط سے ہٹ کر ہے اگر چہ اس کی سند صحیح ہے مگر اس کی قراءت نہ تو نماز میں جائز ہے نہ ہی نماز کے علاوہ۔ صحیح متواتر قراءت دس آئمہ کی قراءت ہی ہے کیونکہ اس میں اس کی تمام شرائط وارکان اکٹھے ہوتے ہیں اس لیے اسے قبول کرنے میں جمہور کا اتفاق ہے۔(۴۹)

اہل تفسیر ومعانی نے ان آئمہ کی قراءات کے ثبوت اور لغوی ومعانی طور پر ان کی توجیہہ کیلئے عربوں کے اشعار سے بھی خدمات حاصل کی ہیں۔ ان آئمہ قراء سے متواتر قراءات اور ان کی لغوی ومعنوی توجیہہ میں ان کی عربی شاعری سے استشہاد کی مثال درج ذیل ہے۔

﴿تـظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ (البقرہ،85:2)(ان کی مخالف قوم کی) امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ)

"تـظٰهَرُوْنَ" ثعلبی لکھتے ہیں کہ امام عاصم حمزہ اور کسائی نے "ظا" کے ایک زبر اور ایک "تـا" کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ اس کی اصل "تـتـظـاهَرُوْنَ" ہے۔ چنانچہ دوسری "تـا" کو ایسے ہی حذف کر دیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلَا تَعَـاوَنُوا﴾ (المائدہ،2:5) اور ﴿مَـالَكُـمْ لَاتَنَاصَرُوْنَ﴾ (الصافات،25:37) میں۔ یعنی دوسرے معنوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں فاعل کی "تـا" محذوف جبکہ خطاب کی "تـا" کو باقی رکھا گیا ہے۔ جن قراء نے "تـظـاهَرُوْنَ" کو "ظا" کے تشدید یعنی "تـظّاهَرُوْنَ" پڑھا ہے تو انہوں نے "تـا" کا "ظا" میں ادغام کیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ کا فرمان ﴿اِثَّـاقَلْتُمْ﴾ (التوبہ،38:9) میں ادغام کیا گیا ہے۔ کلام عرب میں "تـا" کا حذف بھی آیا ہے۔ صرف ثعلبی ذیل شعر سے اپنی تفسیر میں استشہاد کرتے ہیں:

تعاطَسُونَ جميعاً حولَ دارِكُمُ فكُلُّكُم يابني حمّان مزكومُ

تم سب اپنے گھروں کے ارد گرد چھینکتے ہو، اے بنو حمان تم سب کو زکام ہو گیا ہے۔

یعنی اس شعر میں تتعاطسون مراد ہے۔ باقی قراء نے "ظا" کے شد کے ساتھ "تظّاهَرُونَ" پڑھا ہے۔ ثعلبی نے لفظ "تـظـهـرُونَ" کی توضیح کیلئے مختلف آئمہ قراءات کے اختلاف کو تفصیل سے بیان کیا ہے پھر مزید توضیح کیلئے عربی شاعری سے استدلال بھی کیا ہے تاکہ بات میں مزید تقویت پیدا ہو جائے۔ پھر ثعلبی نے اسی طرح کی قرآن مجید سے اور بھی مثالیں پیش کی ہیں ان پیش کردہ آیات میں بھی آئمہ قراءت کا یہی مذکورہ اختلاف ہے اس طرح ثعلبی نے اپنے قاری کو مثالوں کے ذریعے بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ فراء اور ابوعبیدہ تخریج کیلئے یہ آیت نہیں لائے۔ طبری لکھتے ہیں: "وقد اختلف القراء في قراءة: ﴿تـظٰهَرُوْنَ﴾ فقرأها بعضهم: تظاهرون، على مثال ((تفاعلون)) محذف التاء الزائدة وهي التاء الآخرة. وقرأها آخرون ((تظّاهرون)) فشدد بتأويل ((تتظاهرون))، غير أنهم أدغموا التاء الثانية في الظاء لتقارب مخرجيهما فصيّرو هما ظاء مشددة، وهاتان القراءتان وإن اختلف ألفاظهما فإنهما متفقتا المعنى" طبری

نے "تظاھرون" کی قراءت کے اختلاف کے حوالہ سے مذکورہ مفہوم بیان کیا ہے۔ تاہم کسی شعر سے استشہاد نہیں کیا۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد "تتعاونون" ہے۔ انہوں نے کسی شعر سے استدلال نہیں کیا۔ **(۵۰)**

خلاصہ کلام

الغرض کسی بھی کلام کی تفہیم کے لیے اس کی لغت کو پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا اور نہ ہی اس زبان کے ادبی ذخیرے کو غیر ضروری تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن متکلم کی منشا اور مراد کا فہم اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ فہم قرآن میں عربی لغت اور عصر جاہلی کی شاعری کی معرفت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا لغت کے ذریعے مفردات القرآن کے حل میں مدد حاصل کی جا سکتی ہے تاہم قرآن حکیم، احادیث نبوی ﷺ آثار صحابہؓ و تابعین کو بنیادی حیثیت مسلّم ہے۔ بعض اہل علم نے فہم قرآن میں اس کی افادیت اور تاریخی حیثیت کا انکار کیا ہے اور بعض نے اس میں غلو کرتے ہوئے اسے فہم قرآن کی کلید اور معیار غالب قرار دیا ہے۔ دونوں گروہ افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ اصل اور صحیح موقف ان کے بین بین ہے۔ فہم قرآن میں کلام عرب کی معرفت ایک اہم معاون کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس میں منحصر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرون اولیٰ میں قوامیس ومعاجم، تتبع اور استقراء کے بعد تحریر ہوئی ہیں۔ اکثر اہل لغت کے پیش نظر قرآن حکیم کے الفاظ نہیں تھے بلکہ عربی زبان پیش نظر رہی۔ اگر بعض اہل لغت نے معاجم کی تیاری میں غریب القرآن کو پیش نظر رکھا بھی ہے تو انہوں نے اپنے پسندیدہ مسالک کا بھی سہارا لیا ہے۔ علاوہ ازیں اشعار کی نسبت میں اختلاط واختلاف کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے لغت کے ذریعے مفردات القرآن کا متعین مفہوم اجتہادی ہوگا جس میں اختلاف کے امکانات بہر حال موجود رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن البقرۃ ۲:۲۳، الاسراء ۱۷:۸۸

۲۔ الزرکشی، محمد بن عبداللہ بن بہادر (۷۹۴ھ): البرہان فی علوم القرآن، دار الفکر بیروت (۱۹۸۰ء)، ۱:۲۹۳؛ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر (۹۱۱ھ): الاتقان فی علوم القرآن، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی (۱۴۲۱ھ)، ۲:۹۰۱

۳۔ الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر (۳۱۰ھ): جامع البیان عن تاویل آی القرآن، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولی (۱۴۱۲ھ)، ۱:۵۱

۴۔ السیوطی: المزہر فی علوم اللغۃ، دار احیاء الکتب العربیہ عیسی البابی الحلبی شرکاہ، واشاعت فیروز آباد یاد قم (۱۳۷۸ھ)، ۲:۳۰۲

۵۔ الازہری، محمد بن احمد بن طلحہ ابو منصور: تہذیب اللغۃ، الدار المصریۃ للتالیف والترجمۃ القاہرۃ (۱۹۶۴ء)، ۱:۵

۶۔ الراغب الاصفہانی، الحسین بن محمد بن المفضل (۴۲۵ھ): معجم مفردات الفاظ القرآن، دار الفکر بیروت (۱۹۷۲ء) مقدمہ ص: ت

۷۔ البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم: الجامع الصحیح، المکتبۃ العصریہ بیروت، الطبعۃ الرابعۃ (۱۴۲۰ھ) باب قول النبی ﷺ: اللّٰھم علّمہ الکتاب، حدیث نمبر ۷۵، ۱۳۳

٨۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۳۳۵

٩۔ الزرکشی: البرہان فی علوم القرآن ۱: ۲۹۳

١٠۔ عبدالفتاح المصری: المصطلحات فی کتب القراءات، مؤسسۃ الرسالۃ القاہرۃ (۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م) ص ۳۸

١١۔ السیوطی: المزہر فی علوم اللغۃ ۲: ۳۸۴، ۳۸۵

١٢۔ البغدادی، عبدالقادر بن عمر (۱۰۳۹ھ) خزانۃ الادب، دار صادر بیروت، الطبعۃ الاولیٰ (تاریخ ندارد) ۱: ۹

١٣۔ سیبویہ، عمرو بن عثمان بن قنبر: الکتاب، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۲۰ھ) ۱: ۵۳_۶۸

١٤۔ صبحی صالح: مباحث فی علوم القرآن، دار العلم للملایین بیروت لبنان، الطبعۃ العاشرۃ (۱۹۷۸م) ص ۲۸۲_۲۹۲

١٥۔ الزرکشی: البرہان فی علوم القرآن ۲: ۱۸۹

١٦۔ الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن ۱: ۴۳

١٧۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام (۷۲۸ھ): مقدمۃ فی اصول التفسیر، المکتبۃ العلمیۃ لاہور پاکستان (۱۳۸۸ھ) ص ۳۸

١٨۔ الحاکم، ابو عبداللہ محمد عبداللہ بن محمد النیساپوری: المستدرک علی الصحیحین، دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸م)، کتاب التفسیر، سورۃ النجم ۲: ۳۴۵

١٩۔ ابو ہلال العسکری، حسن بن عبداللہ بن سہل (۳۹۵ھ): کتاب الصناعتین الکتابۃ والشعر، المکتبۃ العصریۃ بیروت (۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م) ص ۱۵۶

٢٠۔ السیوطی: المزہر فی علوم اللغۃ ۲: ۳۷۰

٢١۔ الرافعی، مصطفی صادق (۱۹۳۷م): تاریخ آداب العرب، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰م) ۱: ۲۵۵

٢٢۔ السیوطی: المزہر فی علوم اللغۃ ۲: ۳۰۹

٢٣۔ القنوجی، صدیق حسن خان بن علی بن لطف اللہ (۱۳۰۷ھ): ابجد العلوم، المکتبۃ القدوسیۃ اردو بازار لاہور، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳م)

٢٤۔ الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن ۱۲: ۵۶۳_۵۶۵

٢٥۔ ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد (۲۳۵ھ): المصنف، طیب اکادمی بوہڑ گیٹ ملتان، کتاب الادب، باب الرخصۃ فی الشعر ۹: ۷۷، نمبر ۲۰، ۲۵

٢٦۔ عبدالعال سالم مکرم: الشواہد الشعریۃ فی تفسیر القرطبی، عالم الکتب بیروت، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸م) ۱: ۵

٢٧۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۷۸

٢٨۔ ایضاً ۲: ۸۵

٢٩۔ ابن منظور، جمال الدین ابو الفضل محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن منظور المصری الافریقی (۷۱۱ھ): لسان العرب، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیۃ (۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹م)، مادہ غرب

٣٠۔ جب کسی شعر میں دو ایسے الفاظ متصل آ جائیں جن میں پہلے لفظ کا آخری حرف وہی ہوتا ہے جو دوسرے لفظ کا حرف اول ہوتا ہے تو ان دونوں حرفوں کے ایک ساتھ تلفظ میں ایک قسم کا ثقل اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے، اسے عیب تکرار کہا جاتا ہے، جو فصاحت کلام کے منافی ہے۔ الدکتور امیل بدیع یعقوب: المعجم المفصل فی علم العروض والقافیۃ وفنون الشعر، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱م) ص ۲۰۲

٣١۔ حشو اس زائد لفظ کو کہتے ہیں جس کی موجودگی کلام میں عیب شمار ہوتا ہے اور اس کے حذف کرنے سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ ایضاً ص ۲۱۹

٣٢۔ قواعد سے بالا الفاظ جو مانوس معیار پر پورا نہ اتریں۔ مشتاق عباس معن: المعجم المفصل فی فقہ اللغۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ (۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱م) ص ۱۰۳

٣٣۔ ایسے الفاظ جو کسی دور میں مستعمل رہے ہوں مگر بعد میں غیر فصیح قرار دے کر ترک کر دیے جائیں۔ صدیقی، ابو الاعجاز حفیظ: کشاف تنقیدی اصطلاحات،

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم (۱۹۸۵ء)، ص ۱۲۵

۳۴۔ الرافعی: تاریخ آداب العرب، ج ۲، ص ۷۱

۳۵۔ شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم الدہلوی: الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل کراچی، ص ۵۴

۳۶۔ النووی، یحییٰ بن شرف: التبیان فی آداب حملة القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، الطبعة الاولیٰ (۱۴۲۰ھ)، ص ۱۹۶

۳۷۔ ابو عبیدہ، معمر بن المثنی التیمی (۲۱۱ھ): مجاز القرآن، الناشر: محمد سامی امین الخانجی الکتبی، مصر، الطبعة الاولیٰ (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲م)، ج ۱، ص ۳۴

۳۸۔ الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ج ۱، ص ۹۲

۳۹۔ القنوجی، ابو الطیب صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ (۱۳۰۷ھ): فتح البیان فی مقاصد القرآن، المکتبة العصریة، بیروت (۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲م)، ج ۱، ص ۱۷

۴۰۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ج ۲، ص ۵، ایضاً، ج ۲، ص ۲۱۳

۴۱۔ ابو عبیدہ: مجاز القرآن، ج ۱، ص ۴۸، ۴۹، الطبری: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ج ۱، ص ۱۳۳، الثعلبی، ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم النیسابوری (۴۲۷ھ): الکشف والبیان فی تفسیر القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعة الاولیٰ (۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء)، ج ۱، ص ۶۶

۴۲۔ السیوطی: المزہر فی علوم اللغة، ج ۱، ص ۳۴۲

۴۳۔ عبد الفتاح المصری: المعلقات فی کتب القراءات، ص ۴۰

۴۴۔ الثعالبی، ابو منصور عبد الملک بن محمد بن اسماعیل (۴۳۰ھ): فقہ اللغة وسر العربیة، دار العربیة، بیروت، ۲۰۰۲ء، ص ۳۴۰

۴۵۔ الباقلانی، القاضی ابوبکر محمد بن طیب بن محمد (۱۴۰۵ھ): اعجاز القرآن، مؤسسة الکتب الثقافیة، بیروت، الطبعة الرابعة (سن ندارد)، ص ۲۶۸

۴۶۔ ابن قتیبہ، الامام ابی محمد عبد اللہ بن مسلم (۲۷۶ھ): تاویل مشکل القرآن، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان، الطبعة الاولیٰ (۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲م)، ص ۱۳۳

۴۷۔ السکری، ابو سعید الحسن بن الحسین السکری (۲۷۵ھ): شرح اشعار الہذلیین، مکتبة دار العروبة، القاہرة، ص ۱۲۶۸

۴۸۔ القسطلانی، شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک (۹۲۳ھ): لطائف الاشارات لفنون القراءات، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان (۲۰۰۰م)، ج ۱، ص ۴۷

۴۹۔ السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۶۴

۵۰۔ الثعلبی: الکشف والبیان فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۱۲۸